لغاتِ واعرابِ قرآن (۳۰)
پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۰)

(آیات : ۲۸ ، ۲۹)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ ' الاعراب ' الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲۰ : ۲ الاِعراب

زیرِ مطالعہ قطعہ دو آیات پر مشتمل ہے جن کو "اعرابی تقسیم" کے لحاظ سے پانچ جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی آیت (۲۸) میں دو جملے ہیں بلکہ دوسرا جملہ تین چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے جن کو حرفِ عطف (ثُمَّ) کے ذریعے ملا کر ایک جملہ بنا لیا گیا ہے۔ دوسری آیت (۲۹) واضح طور پر تین مستقل جملوں پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پانچ (اعرابی) جملوں میں سے ہر ایک کے آخر پر کوئی نہ کوئی علامتِ وقف تجویز کی گئی ہے۔ کہیں "ج" (وقف جائز) کہیں "ط" (وقف مطلق) اور کہیں "ق" (وقف تاویلی) لکھا گیا ہے۔ ہم اسی طرح علیحدہ علیحدہ پانچ جملوں کے اعراب بیان

کریں گے۔

(۱) کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ

[کَیْفَ] اسم استفہام مبنی علی الفتح ہے اور یہاں بعد والے فعل "تکفرون" کا حال مقدم ہو کر محلاً منصوب ہے ۔۔۔ خیال رہے کہ بلحاظِ اعراب "کَیْفَ" کبھی اپنے مابعد کی خبر مقدم کے طور پر (مرفوع یا منصوب) ہوتا ہے، کبھی حال (مقدم) کے طور پر (منصوب) اور کبھی مفعول بہ یا مطلق کی جگہ آنے کے باعث منصوب ہوتا ہے۔ (یعنی بلحاظ اعراب اس میں زیادہ امکان منصوب ہونے کا ہوتا ہے)۔

● اس کا اعراب جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جملہ استفہامیہ کا مختصر سے مختصر جواب دیں اس طرح کہ جواب کے الفاظ بھی سوال کے الفاظ جتنے ہی ہوں پھر دیکھیں کہ "کیف" کی جگہ جو لفظ جواب میں آیا ہے، جملے میں اس کی اعرابی پوزیشن کیا ہے؟ وہی پوزیشن سوالیہ جملے میں "کیف" کی تھی۔ (ویسے یہی قاعدہ تمام اسمائے استفہام کا اعراب جاننے کے لیے استعمال ہو سکتا ہے)[۱] مثلاً (۱) کیف حالُكَ ؟ (تیرا کیا حال ہے؟) کے جواب میں آپ کہتے ہیں" انا مریضٌ " (میں بیمار ہوں) تو گویا یہاں "کیفَ" خبر مقدم ہو کر مرفوع ہے اور (۲) اگر آپ کیفَ کنتَ البارحۃَ ؟ (کل رات آپ کا کیا حال تھا) کے جواب میں کہتے ہیں "کنتُ البارحۃ مریضًا" (گزشتہ رات میں بیمار تھا) تو یہاں "کیف" "کنتَ" کی خبر مقدم (خبر کانَ) ہو کر نصب میں ہے ۔۔۔ اور اگر (۳) آپ کیفَ وجدتَہ ؟ (تو نے اسے کیسا پایا) کے جواب میں " وجدتُہ عالمًا " کہتے ہیں تو گویا "کیف" "وجدت" کا مفعول ثانی مقدم ہونے کے باعث نصب میں تھا اور اگر (۴) آپ " کیفَ جئتَ! (تو کس طرح آیا) کے جواب میں " جئتُ ماشیًا " (میں پیدل آیا) کہتے ہیں تو یہاں "کیف" فعل "جئتَ" کی ضمیر فاعل کا حال (مقدم) ہونے کے باعث

[۱] چاہیں تو دیکھیں کتاب "المنھاج فی القواعد و الاعراب (للانطاکی) ص ۱۵۳۔

محلاً منصوب سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر (۵) آپ " کیفَ تَعمَلُونَ ؟ " (تم کیسا عمل کرو گے ؟) کے جواب میں کہیں " نعمل عملاً صالحًا (ہم اچھا عمل کریں گے) تو یہ فعل " تعملون " کا مفعول مطلق (مقدم) ہو کر نصب میں سمجھا جائے گا ــــ اوپر ہر ایک مثال میں " مقدّم " کا لفظ بار بار آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم استفہام ہمیشہ جملے میں سب سے پہلے (مقدّم) آتا ہے لہٰذا اس کی اعرابی حالت خبر ہو یا حال یا مفعول بہ یا مفعول مطلق سب " مقدم " سمجھے جاتے ہیں۔

[تَکْفُرُوْنَ] فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ یہاں " کیف تکفرون ؟ " کا سوال (یا اس کا جواب) " (أ) تکفرون جاھلینَ اَوْمُعَانِدِیْنَ " (آیا)، تم جاہل یا مخالف ہوتے ہوئے انکار کرتے ہو ؟ " ہو سکتا ہے اس لئے اعرابی لحاظ سے یہاں " کیف " کو حال مقدم سمجھ کر منصوب (محلاً) قرار دیا جا سکتا ہے۔ (اور اس کا یہی اعراب اوپر بیان ہوا ہے)

[باللّٰہ] جار (بِ) مجرور (اللہِ) مل کر متعلق فعل " تکفرون " ہیں۔ اور " بِ " یہاں صلہ فعل کا کام بھی دے رہی ہے۔ یعنی " (کیوں کر ! کیسے، کس طرح) اللہ کا انکار کرتے ہو / اللہ سے منکر ہو گئے / کفر کرتے ہو " اور بعض مترجمین نے اردو محاورے اور سیاقِ عبارت سے معلوم ہونے والے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے (کیسے) انکار کر سکتے ہو، کفر کر سکتے ہو " کے ساتھ ترجمہ کیا ہے کیونکہ انکار ان کے ارادہ کا نہیں بلکہ ان کی استطاعت (عقلی) کا مراد ہے ــــ

[وَ] حالیہ ہے بمعنی " حالانکہ " اور [کُنْتُمْ] فعل ناقص بصیغہ ماضی (جمع مذکر حاضر) ہے جس سے پہلے لفظ " قَدْ " مقدر مانا جاتا ہے [نحوی کہتے ہیں کہ جب فعل ماضی جملۂ حالیہ کے طور پہ آرہا ہو تو اس (فعل) سے پہلے ایک " قَدْ " ضرور ہوتا ہے چاہے ظاہراً مذکور ہو یا مقدر (غیر مذکور)]۔

[امواتًا] خبر کان (کنتم) ہو کر منصوب ہے اور یہ پورا جملہ " وکنتم امواتًا " حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

اس طرح " وکنتم امواتاً " کا لفظی ترجمہ بنتا ہے " حالانکہ / حال یہ تھا کہ تم مردہ / محض بے جان / تھے "۔ بعض نے اس کا ترجمہ " تم میں جان نہ تھی " کیا ہے جو عربی الفاظ سے ذرا ہٹ کر ہے مگر محاورہ اور مفہوم کے لحاظ سے درست ہے۔ بیشتر مترجمین " واو حالیہ " کے ترجمہ یا مفہوم کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف "کنتم امواتاً" کا ہی ترجمہ کر دیا ہے۔

[فَاَحْيَاكُمْ] کی ابتدائی " فَ " (فاء) عاطفہ بمعنی " پس یا پھر " ہے۔ اور اَحْيَا (اَحْيٰى) فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعل (هُوَ) ہے جو اللّٰہ تعالےٰ کے لیے ہے اور " کُم " ضمیر منصوب اس فعل (اَحْيا) کی مفعول بہ ہے۔ بعض مترجمین نے فاء عاطفہ کا ترجمہ " تو پھر، تو اور سو " سے کیا ہے۔ اور یوں " فَاَحیاکم " کا ترجمہ " پھر / پس / سو / تو / تو پھر اس نے تم کو جلایا / جان بخشی / جان ڈالی / جاندار کیا " سے کیا ہے۔ یہاں تک پہلا جملہ ختم ہوتا ہے۔

(۲) ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

[ثُمَّ] حرفِ عطف ہے جو اس حصۂ آیت میں تینوں جگہ ترتیب اور تراخی (پھر، بعد میں کے معنی) کے لیے آیا ہے۔ [يُمِيْتُكُمْ] میں " يُمِيْتُ " فعل مضارع معروف (صیغہ واحد مذکر غائب) ہے جس میں ضمیر فاعل " هُوَ " موجود ہے اور " کُمْ " ضمیر منصوب اس فعل (يُمِيْت) کی مفعول بہ ہے۔ اور یہ " يُمِيْتُكم " مکمل جملہ فعلیہ ہے جس کو اگلے [ثُمَّ] کے ذریعے مابعد والے جملے سے مربوط کیا گیا ہے۔ [يُحْيِيْكُمْ] بھی فعل مضارع معروف مع ضمیر فاعل (هُوَ) ہے اور یہاں بھی ضمیر منصوب " کم " فعل (يُحْيِيْ) کا مفعول بہ ہے۔ اور یہ (يُحْيِيْكم) بھی ایک مکمل جملہ فعلیہ ہے جسے [ثُمَّ] ہی کے ذریعے اگلے اور پچھلے جملے کے ساتھ (بصورت عطف) مربوط کیا گیا ہے۔

[اِلَيْهِ] جار (الی) مجرور (ہ) مل کر بعد میں آنے والے فعل (تُرْجَعون) سے متعلق ہیں اور [تُرجعون] فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس

میں ضمیر نائب فاعل " انتم " شامل ہے۔ یہاں " الیہ " کا فعل سے پہلے لانا (دراصل تو " ترجعون الیہ " تھا) کچھ تو فاصلۂ آیت کی رعایت سے ہے۔ دوسرے اس تقدیم سے " الیہ " میں حصر کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے جس کو ترجمہ میں " اس ہی کی طرف یا اسی کی طرف " سے ظاہر کیا گیا۔ یعنی " پھر تم اسی کی طرف/اسی کے پاس/ اسی کی جانب لوٹائے/واپس کئے / لے جائے جاؤ گے " کی صورت میں بعض حضرات نے " تم پلٹ کر جاؤ گے " ترجمہ کیا ہے جو اس لحاظ سے غلط ہے کہ اس میں فعل مجہول کا ترجمہ فعل معروف سے کر دیا گیا ہے ___ یوں یہ تین جملے (یمیتکم ، یحییکم اور الیہ ترجعون) " ثُمَّ " کے ذریعے ایک دوسرے پر عطف کر کے ایک مربوط جملہ بنا دئے گئے ہیں اور شاید یہاں " ثُمَّ " کی تکرار اور اس میں تراخی کے مفہوم کے پیش نظر یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ ان کاموں (مارنا پھر جلانا پھر لوٹانا) کے درمیان ایک (بڑا) وقفہ ہو گا۔ اس کے بعد اگلی آیت میں اس مارنے، جلانے اور لوٹانے والے کے بارے میں بات ہوئی ہے۔

(۳) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔

[هُوَ] ضمیر منفصل مرفوع مبتدأ کا کام دے رہی ہے [الذی] اسم موصول ہے جو " هُوَ " کی خبر ہونے کے باعث محل رفع میں ہے (دراصل تو اسم موصول سے خبر کی ابتدا ہو رہی ہے) [خلق] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیر فاعل " هُوَ " موجود ہے۔ [لَكُمْ] جار مجرور متعلق فعل " خلق " ہیں۔ یہاں " خلق لکم " کا لفظی ترجمہ تو ہے " اس نے پیدا کیا تمہارے لیے "۔ تاہم بعض مترجمین " لِ " کے معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے وضاحتی ترجمہ " تمہارے فائدہ کے لیے " کی صورت میں کیا ہے۔ جب کہ بعض اشتراکی اور مزدکی ذہن رکھنے والوں نے اسی " لِ " (لام الجر) میں ملکیت کا مفہوم سونگھ کر (جو لام الجر کے معانی میں سے ایک معنی ہے) اس سے " تم سب کی مشترکہ ملکیت " ہونے پر استدلال کیا جو قرآن کریم کے باقی احکام کی نفی کو مستلزم ہوتا ہے۔ [ما] اسم موصول ہے اور یہ

فعل " خلَق " کا مفعول بہ ہو کر محل نصب میں ہے۔ [فی الارض] جارّ (فی) اور مجرور (الارض) مل کر اسم موصول " مَا " کا صلہ ہے ۔ یا یوں کہیے کہ صلہ کا بھی ایک جزء ہے ۔ کیونکہ آگے [جمیعًا] بھی اسی مفعول بہٖ اسم موصول (مَا) کا حال (لھذا منصوب) ہو کر اسی صلہ کا ایک جزء ہے یوں " مَا فی الارضِ جمیعًا " (جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب) صلہ موصول مل کر فعل " خلق " کا مفعول بہ ہے یعنی محلِ نصب میں ہے ۔ بعض نے " ما فی الارض جمیعًا " کا بامحاورہ ترجمہ " زمین کی کُل کائنات " سے کیا ہے جو اصل الفاظ سے ذرا ہٹ کر ہے اگرچہ بلحاظ مفہوم درست ہے ۔ بعض نے " ما " کا ترجمہ " سب چیزوں کو جو " کیا ہے جو وضاحتی ترجمہ ہے ۔ اس طرح " خَلَقَ لکم ما فی الارض جمیعًا " پورا جملہ [جس میں فعل مع فاعل (خلق) مفعول بہ (ما فی الارض جمیعًا) اور متعلق فعل (لکم) موجود ہے] اسم موصول " الّذی " کا صلہ مکمل کرتا ہے اور یہ صلہ موصول (الّذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا) مل کر ابتدائی ضمیر مرفوع (ھُوَ) جو مبتدأ ہے ، کی خبر بن کر جملہ اسمیہ مکمل ہوتا ہے ۔

(۴) ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاۗءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ :

[ثُمَّ] حرف عطف ہے جس کے معنی پر حصہ " اللغۃ " میں بات ہو چکی ہے [استوی] فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس میں ضمیر فاعل " ھُوَ " شامل ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۔ [اِلی السماء] جارّ (الی) اور مجرور (السماء) مل کر متعلقِ فعل (استوی) ہیں [فسوّٰھُنَّ] میں ابتدائی " فَ (فاء) " عاطفہ ہے جس میں ترتیب (پھر) کا مفہوم موجود ہے ۔ " سوّی " فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعل (ھُوَ) ہے ۔ اور آخری " ھُنَّ " ضمیر منصوب متصل فعل (سوّی) کا مفعول بہ ہے جو " سماوات " کے لیے ہے ۔ اس طرح یہ (فَسَوّٰھُنَّ) ایک مستقل جملہ ہے جس کا ترجمہ لفظی ہے " پس اس نے ٹھیک ٹھاک بنا دیا ان کو " ۔ اس کے بعد [سَبْعَ سماوات] میں " سبْعَ " تو اسم عدد ہے اور " سماواتٍ " اس کا معدود (تمیز) ہے ، جو تین سے دس تک کے

لئے "جمع مجرد نکرہ" ہوتی ہے اور اس (سماوات) کے واحد (سماء) کے مؤنث ہونے کی وجہ سے عدد مذکر (سبعۃ کی بجائے سبع) آیا ہے۔ یہاں (فسوٰھن سبعَ سماوات) میں اس (سبعَ) کے اعراب کی تین صورتیں ممکن ہیں:

(۱) اگر فعل "سَوّٰی" کو بمعنی "خلَق" (پیدا کیا، بنایا) لیں تو یہ (سبعَ) اس فعل کی مفعول بہ ضمیر (ھُنَّ) کا حال ہو کر منصوب ہے یعنی (سات ہوتے ہوئے) اس طرح اس جملہ (فسوٰھن سبع سماوات) کا ترجمہ ہوگا "ٹھیک ٹھاک پیدا کر دیا یا بنا دیا ان کو سات آسمانوں کی صورت یا حالت میں"۔ مگر اردو محاورے میں حال کا ترجمہ فٹ نہیں آتا اس لیے اکثر مترجمین نے اس ترکیب کو نہیں لیا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ (سبعَ سماوات) مفعول بہ ضمیر "ھُنَّ" کا (حال نہیں بلکہ) بدل ہو کر منصوب ہے (ضمیر "ھُنَّ" مفعول بہ منصوب ہے)۔ اس ترکیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض نے اس (فسوٰھن سبعَ سماوات) کا ترجمہ "سات آسمان ہموار بنا دیئے، ٹھیک سات آسمان بنائے" کے ساتھ کیا ہے۔ اردو محاورے کے لیے اس ترجمہ میں مُبْدَل منہ یعنی "ھُنَّ" کا ترجمہ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ "سَوّٰی کو "صَیَّرَ" (.....کو...... بنا ڈالا) کے معنی میں لیں تو پھر "سبع سماوات" مفعول ثانی (مفعول اول "ھُنَّ" ہے) ہو کر منصوب ہے۔ اس ترکیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیشتر مترجمین نے اس (فسوٰھن سبع سماوات) کا ترجمہ یوں کیا ہے: "ٹھیک کر دیا / درست کر کے بنا دیا / بنا دیا ان کو سات آسمان"۔ اس ترکیب کے ساتھ ترجمہ میں کوئی نقطہ نظر انداز نہیں ہوتا اور محاورہ بھی برقرار رہتا ہے۔

(۵) وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔

یہاں [وَ] مستانفہ ہے۔ یہاں سے ایک نیا مضمون اور نیا جملہ شروع ہوتا

ہے جو سابقہ جملے پر عطف نہیں ہو سکتا ۔ اسی لیے اس سے پہلے (جملے کے آخر پر) وقف مطلق کی علامت (ط) ڈالی گئی ہے [هُوَ] ضمیر مرفوع منفصل مبتدأ ہے [بِكُلِّ شَيْءٍ] میں "بِ" حرف الجر ہے اور "كُلِّ" مجرور بالجر بھی ہے اور آگے مضاف ہے (اس لئے خفیف ہے یعنی لام تعریف اور تنوین دونوں سے خالی ہے) اور "شَيْءٍ" مضاف الیہ (مجرور بالاضافہ) ہے اور یہ سارا مرکب جاری (بكل شيءٍ) متعلق خبر (علیم) مقدم ہے اور [عليم] "هُوَ" کی خبر (لهذا) مرفوع ہے ۔ اس طرح یہ (وهو بكل شيءٍ عليم) جملہ اسمیہ ہے اور اس کا ترجمہ " اور وہ ہر چیز کے بارے میں خوب علم رکھنے والا ہے" بنتا ہے ۔ اسی کو " ہر چیز سے واقف ہے' خبردار ہے' جاننے والا ہے" کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے ۔ البتہ جنہوں نے اس کا ترجمہ " وہ ..... خوب جانتا ہے" کی صورت میں کیا ہے یہ اس لحاظ سے محل نظر ہے کہ جملہ اسمیہ کا ترجمہ جملہ فعلیہ کی طرح کر دیا گیا ہے ۔

۲: ۲۰: ۳ الرسم

زیر مطالعہ قطعۂ آیات کے قریباً تمام کلمات کی املاء (رسم عثمانی) اور رسم معتاد (عام عربی املاء) یکساں ہے ۔ صرف پانچ کلمات تفصیل طلب ہیں (۱) امواتًا (۲) فَأَحْيَاكُمْ (۳) يُحْيِيكُم (۴) فَسَوّٰهُنَّ (۵). سمٰوٰت ۔ ان میں سے پہلے دو کا رسم عثمانی مختلف فیہ ہے ۔ جب کہ آخری تین کا رسم عثمانی متفق علیہ ہے ۔ تفصیل یوں ہے :

(۱) "امواتًا" کے حذف الف (بعد الواو) کا ذکر المقنع (للدانی) اور العقیلہ (للشاطبی) میں نہیں ہے ۔ صاحب نثر المرجان (ج ۱ ص ۱۲۲) نے بھی " اثبات الالف فی اکثر المصاحف" لکھا ہے ۔ مورد الظمآن میں اسے جمع مؤنث سالم کے (ہر جگہ) محذوف الالف ہونے کے قاعدے سے مستثنیات ـــ

میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ (امواتا) جمع مکسر ہے جمع مؤنث سالم نہیں ہے[1]۔ صرف "الضباع" نے اس کے محذوف الالف ہونے کا ذکر (بحوالہ ابی داؤد) کیا ہے[2]۔

نتیجہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ لفظ لیبیا، برصغیر ترکی ایران کے مصاحف میں باثبات الالف (امواتًا) لکھا جاتا ہے اور عرب اور بیشتر افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے بحذف الالف (امٰوتًا) لکھا جاتا ہے۔ اس لفظ کی عام عربی املاء بھی باثبات الالف ہے۔

(۲) "فَاَحْیَاکُمْ": المقنع اور العقیلہ میں اس کا حذف الالف (لبعد الیاء) مذکور نہیں ہے (جو اثبات کو مستلزم ہے) مورد الظمآن (کی شرح دلیل الحیران اور لطائف البیان) میں بھی حذف مذکور نہیں ہے۔ نثر المرجان میں اس کے اختلاف الرسم کا ذکر کرتے ہوئے اثبات الالف کی تصریح کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ الدانی نے اس کے اثباتِ الف کی تصریح کی ہے اور بحوالہ کسائی نقل کیا ہے کہ "لم تختلف المصاحف فی رسمہ بالالف"۔ البتہ صاحب نثر المرجان کے ایک قدیم معتمد علیہ قلمی مصحف (جسے وہ مصحف الجزری کہتے ہیں) میں اس لفظ کے بحذف الالف لکھے ہونے کا ذکر بھی کیا ہے[3]۔ الضباع نے چار کلمات "اَحْیَاکُمْ (البقرہ: ۲۸ والحج: ۶۲)؛ اَحْیَاھُمْ" (البقرہ: ۲۴۳)، مَحْیَاھُم (الجاثیہ: ۲۰) اور اَحْیَاھَا (المائدہ: ۳۵ وَ فُصِّلَتْ: ۳۹) کا بحذف الالف لکھا جانا ابوداود سے بخلف (یعنی مع اختلاف) نقل کیا ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ مصر میں ان کو باثباتِ الف لکھنا معمول بہ ہے ماسوائے البقرہ والے (دو لفظوں) کے اور یہ کہ تمام مغاربہ (اہل مغرب یعنی افریقیہ اور اندلس والے) ان چاروں کلمات کو باثبات الالف لکھتے ہیں (ہر جگہ)[4]۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ افریقی اور مشرقی ممالک میں اسے باثبات الالف "فاحیاکم" لکھتے ہیں۔ اور عرب ممالک کے مصاحف میں اسے بحذفِ الف یعنی "فاحیٰکم"

---

[1] دلیل الحیران للمارغنی ص ۵۱ [2] سمیر الطالبین ص ۶۱
[3] نثر المرجان (للارکاٹی) ج ۱ ص ۲۲، ۱۲۲ [4] سمیر الطالبین ص ۶۲

لکھتے ہیں۔

(۳) "یُحْیِیْکُمْ" : کا رسم عثمانی و املائی ایک ہی ہے اس میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ کلمہ "یُحْیِیْ" قرآن کریم میں ہر جگہ "یُحْیِ" (آخری یا اس سے پہلی یاء (ی) کے حذف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ البتہ جب اس فعل کے ساتھ کوئی منصوب ضمیر مفعول بہ ہو کر لگی ہوئی ہو تو پھر اسے ہر جگہ (عام املاء کی طرح) دو یاء کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے۔

(۴) "فَسَوّٰهُنَّ" : میں "و" اور "ھ" کے درمیان "ی" بصورت نبرہ (دندانہ) لکھنا بھی رسم عثمانی سے مختص ہے ورنہ عام عربی املاء میں اسے اب "فَسَوَّاهن" لکھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ بہرحال رسم عثمانی میں اسے "فسوّٰهن" ہی لکھنا متفق علیہ ہے۔

(۵) "سمٰوٰت" : یہ لفظ جس کی عام عربی املاء "سماوات" ہے۔ رسم قرآنی کے اس قاعدے کے تحت کہ: ذوالالفین (دو الفوں والی) جمع مؤنث سالم کے دونوں الف کتابت میں محذوف کر دیے جاتے ہیں[1] اس لفظ کو محذوف الالفین لکھا جاتا ہے۔ یعنی (۱) "م" اور "وَ" کے درمیان بھی اور (۲) "وَ" اور "تَ" کے درمیان بھی الف نہیں لکھا جاتا یعنی اسے "سموت" لکھا جاتا ہے (پڑھے دونوں الف جاتے ہیں جن کو ضبط کے مختلف طریقوں سے ظاہر کیا جاتا ہے)۔ کتاب مصحف میں اس لفظ کے اس حذف (الفین) پر تمام علماء رسم کا اتفاق ہے۔ مزید یہ کہا گیا ہے کہ اس لفظ کے پہلے الف (بعد المیم) کو تو ہر جگہ محذوف کیا جاتا ہے (لفظ "سموت" معرفہ یا نکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر ۱۹۰ جگہ وارد ہوا ہے) البتہ الدانی اور ابو داؤد ہر دو کے مطابق صرف سورہ فُصِّلت (حم السجدہ)

---

[1] دیکھئے المقنع ص ۲۳، دلیل الحیران (مارغنی) ص ۵۲ اور لطائف البیان (زیتحار) ج ۱ ص ۱۷۔

کی آیت ۲۹ میں آنے والے لفظ کو دوسرے الف (بعد الواو) کے اثبات کے ساتھ لکھا جاتا ہے [1] یعنی "سمٰوات"۔

پس اس لفظ کا بحذف الالفین (سمٰوٰت) لکھا جانا علم الرسم کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور ترکی یا ایران میں جو اسے رسم املائی کے مطابق (سماوات) لکھنے کا رواج ہو گیا ہے تو یہ رسم عثمانی کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۲ : ۲۰ : ۴ الضبط

زیر مطالعہ دو آیات میں مختلف کلمات کے ضبط میں اختلاف کو مندرجہ ذیل نمونوں کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہر لفظ کے عموماً چار نمونۂ ضبط (عام پاکستانی، ایرانی و ترکی، عرب ممالک اور افریقی) لکھے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ضبط ایک سے زیادہ جگہ یکساں ہے تو صرف مختلف فیہ ضبط کے نمونے لکھے جاتے ہیں۔

كَيْفَ ، كَيۡفَ / تَكْفُرُوْنَ ، تَكۡفُرُوۡنَ ، تَكْفُرُونَ

بِاللّٰهِ ، بِٱللَّهِ ، بِاللَّهِ / وَكُنْتُمْ ، كُنتُمۡ /

اَمْوَاتًا ، اَمْوٰتًا ، أَمۡوَٰتًا ، اَمْوَاتًا /

فَاَحْيَاكُمْ ، فَأَحۡيَٰكُمۡ ، فَاَحْيَاكُمْ /

ثُمَّ / يُمِيْتُكُمْ ، يُمِيتُكُمۡ ، يُمِيتُكُمْ / ثُمَّ

يُحْيِيْكُمْ ، يُحۡيِيكُمۡ ، يُحْيِيكُمْ / ثُمَّ

---

[1] سمیر الطالبین ص ۳۶ ، دلیل الحیران (للمارغنی) ص ۵۷

اِلَيْـهِ ، اِلَيْهِ ، اِلَيْهِ / تُرْجَعُوْنَ ، تُرْجَعُوْنَ ، تُرْجَعُوْنَ / هُوَ الَّذِیْ ، الَّذِیْ ، اَلَّذِیْ ، اَلَّذِیْ / خَلَقَ ، خَلَقَ / لَكُمْ ، لَكُمْ / مَّا ، مَّا ، مَّا / فِی ، فِی الْاَرْضِ ، الْاَرْضِ ، الْاَرْضِ / جَمِيْعًا ، جَمِيْعًا ، جَمِيْعًا ، جَمِيْعًا / ثُمَّ اسْتَوٰى ، اسْتَوٰى ، اسْتَوٰى / اِلَى ، اِلَى ، اِلَى / السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ ، السَّمَآءِ / فَسَوّٰهُنَّ ، فَسَوّٰهُنَّ ، فَسَوّٰهُنَّ / سَبْعَ / سَمٰوٰتٍ ، سَمٰوٰتٍ ، سَمٰوٰتٍ / وَهُوَ / بِكُلِّ ، بِكُلِّ / شَیْءٍ ، شَیْءٍ ، شَیْءٍ / عَلِيْمٌ ، عَلِيْمٌ ، عَلِيْمٌ ، عَلِيْمٌ ۔

عَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِیْ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

"اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ

بِالْجَمَاعَةِ[۱] وَالسَّمْعِ[۲] وَالطَّاعَةِ[۳] وَالْهِجْرَةِ[۴] وَالْجِهَادِ[۵] فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد وجامع ترمذی)